سر سیّد احمد خان اور ان کے افکار

ایک غیر جانبدار تجزیہ

صادق حسین طارق

اورنگ زیب کے بعد مغلیہ سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔ اس زوال کی انتہا اس وقت ہوئی جب کہ یورپ میں انیسویں صدی کے کمالات ظاہر ہو چکے تھے۔ نظام عالم کئی صدیوں کی متوازن و مستحکم رفتار کے بعد ایک عظیم انقلاب کے لئے آمادہ نظر آ رہا تھا۔ ہندوستان پر اس انقلاب کا اثر بہت تیز اور زبردست ہوا۔ مسلمانوں کی قومی و ملی زندگی کا کوئی پہلو نہ تھا جو ذلت و ابتری کا مرقع نہ ہو۔ تمام خصائل حمیدہ جو قومی و انفرادی زندگی کا لازمی جزو ہوتے ہیں ایک ایک کر کے سب ختم ہو چکے تھے۔ اس انقلاب کی طغیانی و تلاطم کے ہیجان میں مسلمانوں کی عقل گم اور ہوش و حواس غائب نظر آتے تھے۔ لیکن ایک شخص واحد جو موجوں کے تھپیڑے اور تلاطم کے ہچکولے بھی سہتا رہا اور باوجود بے سروسامانی اور کثرتِ حوادث کے اپنے قوائے عقلی و ذہنی سے سکون و استقلال اور ہمت و پامردی کے ساتھ کام بھی لیتا رہا۔ یہ مرد خود آگاہ سر سید احمد خان تھا یہ ایک عظیم مفکر ماہر خطیب، غیر معمولی سیاستدان، قابل ترین ماہر تعلیم اور عظیم محقق تھا۔ وہ خلوص و محبت اولوالعزمی بلند نظری استقلال و ہمت، ظرافت و شوخی، جذبہ ایثار و قربانی جیسی عظیم صفاتِ انسانی کی وجہ سے اپنے ہمعصروں میں ممتاز مشہور و معروف تھا۔ اس کی صحبت زندہ دلوں کی صحبت ہوا کرتی تھی۔ بقول حالیؔ :

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اس کی۔

وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے۔

ولادت و ابتدائی تربیت

آپ دہلی کے سادات خاندان کے چشم و چراغ میر تقی کے ہاں ۱۷، اکتوبر ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد

قلعۂ دہلی کے وظیفہ خوار اور درباریوں میں سے تھے۔ آپ کے نانا خواجہ فرید الدین احمد خان بہادر جن کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا۔ دبیر الدولہ، امین الملک اور مصلح جنگ کے معزز خطابات سے نوازے گئے اس طرح آپ نجیب الطرفین تھے۔ آپ کا خاندان شاہ عبد العزیزؒ کا معتقد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی امور میں آپ کا خاندان عام توہمات بے جا تقلید اور رسم و رواج کی پابندی سے ہمیشہ آزاد رہا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پہ ہی ہوئی والد سے تیراکی اور تیر اندازی سیکھی تو والدہ سے عربی و فارسی کی تعلیم پائی۔ اپنے ماموں نواب زین العابدین خان سے علم ریاضی و ہندسہ سیکھا گو انیس سال کی عمر میں سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ لیکن ذوق علم بدستور قائم رہا۔

ملازمت

آپ کی عمر بائیس سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آمدنی کم ہو گئی۔ گذر اوقات مشکل ہونے لگی۔ تو آپ کو ملازمت کی فکر ہوئی۔ آپ نے اپنے خالو مولوی خلیل اللہ خان صدر امین دہلی کے پاس عدالت کا کام سیکھنا شروع کیا۔ اور بعد میں وہیں سررشتہ دار مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد مسٹر ہملٹن کی کوشش سے دفتر کمشنری آگرہ کے عہدۂ نائب منشی پر ان کا تقرر ہوا۔ اسی دوران منصفی کا امتحان پاس کیا تو دسمبر ۱۸۴۱ء میں مین پوری میں جج مقرر ہوئے تھوڑے ہی عرصہ بعد یعنی جنوری ۱۸۴۲ء میں فتح پور سیکری میں تبدیلی ہو گئی اور جنوری ۱۸۵۵ء میں بجنور میں "صدر امین" مقرر ہوئے۔

انگریز تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں وارد ہوئے لیکن ہندوستانیوں کی کمزوری اور غداری کی بدولت جلد ہی ہندوستان کے مالک بن گئے چنانچہ ۱۸۵۷ء میں آزادیٔ وطن کی تحریک نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ سید صاحب ان دنوں بجنور میں تھے آپ نے چند انگریزوں کی جان بچائی جس کے صلے میں آپ کو جاگیر دی گئی لیکن آپ نے انکار کر دیا (بقول گراہم) اپریل ۱۸۵۸ء میں مراد آباد میں تبدیل ہو گئے اور صدر الصدور کے عہدہ پر متمکن ہوئے۔

رسالہ اسباب بغاوتِ ہند

سرسید کو اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ گو اس وقت آتش انتقام برافروختہ ہے اور انگریزوں کو ہر ہندوستانی باغی اور ہر مشتبہ فعل جرم بغاوت نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت حال اور اصل سبب تک ان کی بھی رسائی

نہیں اور جو لوگ غور و فکر کے اہل ہیں وہ بھی اس وقت اپنے جذبات سے اس قدر مغلوب ہو گئے ہیں کہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا ان کے لئے ناممکن ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصل حالات جن کی وجہ سے بغاوت ہوئی ظاہر کئے جائیں چنانچہ آپ نے رسالہ اسباب بغاوت ہند تحریر کیا جس میں فسادات کی ذمہ داری حکومت کی بعض خرابیوں اور مذہبی مداخلت پر رکھی اس تمام شورش میں جو اہل ہند کی طرف سے ہوئی کسی سازش کا نہ ہونا قطعی اور مسکت دلائل سے ثابت کیا۔ آپ نے اس کے پانچ نسخے طبع کرائے اور انہیں صرف پارلیمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا آفس میں بھجوا دیا۔ اس رسالہ پر بڑی لے دے ہوئی لیکن چند حقیقت پسند انگریزوں کے درمیان میں پڑ جانے کی وجہ سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب سید صاحب کا دل بڑھ گیا تو تھوڑے عرصہ بعد ایک اور رسالہ "لائل محمڈنز آف انڈیا" شائع کیا۔ جس میں انگریزوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ مئی ۱۸۶۲ء میں آپ کی تبدیلی غازی پور میں ہوئی۔ وہاں آپ نے ایک انگریزی اسکول قائم کیا :

سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام

یہ آپ نے بھانپ لیا کہ مسلمان اس وقت تک انگریزی تعلیم کی طرف راغب نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس کی حقیقت کو نہ جان لیں اس مقصد کے حصول کے لئے لازمی تھا کہ انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ کیا جائے اور اسے عوام تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۸۶۳ء میں ایک "التماس بخدمت ساکنان ہندوستان درباب ترقی تعلیم اہل ہند" شائع کیا۔ اس میں انہوں نے سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کی تجویز پیش کی جس کا مقصد مفید انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ ڈیوک آف آرگائل جو اس وقت وزیر ہند تھے کے سرپرست و مربی مقرر ہوئے اور اس سوسائٹی نے ترجمہ و اشاعت کا کام غازی پور میں شروع کر دیا ۱۸۶۴ء میں آپ کے تبادلہ علی گڑھ کے ساتھ سوسائٹی بھی علی گڑھ میں منتقل ہو گئی۔ یہاں اس سوسائٹی کو بہت ترقی ہوئی۔ ایک مستقل شاندار عمارت بھی تیار ہو گئی اور مطبع بھی تیار ہو گیا۔ آمدنی میں اضافہ ہوا اور متعدد کتابیں جو مختلف علوم و فنون پر حاوی تھیں ترجمہ کی گئیں ۔ :

سفر انگلستان

علی گڑھ سے آپ کی تبدیلی بنارس میں ہو گئی یہاں وہ کوئی قابل ذکر کام نہ کر سکے سوائے اُردو ہندی

نزاع کے تجربہ کے جس کا ذکر ان کی سیاسی زندگی میں آئے گا۔ یہاں ہی انہوں نے انگلستان جانے کا ارادہ کیا رخصت لے کر زادِ سفر باندھا۔ اس سفر کا مقصد جو انہوں نے درخواست میں ظاہر کیا ان کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"یہ بات بخوبی میرے ذہن نشین ہے کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود کو کامل ترقی دینے اور گورنمنٹ انگریزی کے مطالب کو جس کی ملازمت کا فخر مجھ کو حاصل ہے بخوبی استحکام اور پائیداری بخشنے کے واسطے اس کے سوا اور کسی امر کی ضرورت نہیں ہے کہ اہل یورپ اور ہندوستان کے درمیان ربط و ضبط کو ترقی دی جائے پس اس مقصد کی تکمیل کے واسطے ہندوستانیوں کو میری رائے میں یورپ کے سفر کی ترغیب دینی چاہیے تاکہ وہ مغربی ملکوں کی شائستگی کے عجیب و غریب نتیجوں اور ان کی ترقی کو بچشم خود مشاہدہ کریں اور اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ انگلستان کے لوگ کیسے دولت مند، طاقتور اور دانا ہیں اور مفید اور عمدہ باتوں کو ہندوستان کی بھلائی کے واسطے سیکھیں جو اس امر کے نتیجے ہیں کہ تجارت کے باب میں انگلستان کے باشندے کیسے مستعد ہیں اور کارخانوں اور کاشتکاری اور شفاخانوں اور خیرات اور اس کے شہروں کی صفائی اور اس کی دولت و علم سے روز بروز زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ حیات سرسید صفحہ ۴۵-۴۶۔

آپ کی درخواست منظور ہو گئی اور آپ سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ سفر کے تمام حالات اپنے احباب کو لکھتے جاتے ہیں وہاں پر انہوں نے ولیم میور کی کتاب حیات محمدؐ (LIFE OF MOHAMMED) کا مطالعہ کیا جو اغلاط اور بہتان تراشیوں سے پُر تھی اس کتاب کے لب و لہجہ سے آپ کو سخت رنج پہنچا اس کا جواب لکھنے کا قصد کیا اس ضمن میں وہ خود یوں رقمطراز ہیں:۔

"ان دنوں میں ذرا میرے دل کو سوزش ہے۔ ولیم میور نے جو کتاب آنحضرتؐ کے حال پر لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل جلا دیا اور اس کی ناانصافیوں اور تعصبات کو دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت پر جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے اور اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمدؐ کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔

مارا ہمیں تمغہ شاہنشاہی بس است

چنانچہ آپ نے وہاں فرانس جرمنی اور مصر سے کتب سیر منگائیں اس کا مطالعہ کیا اور "خطبات احمدیہ" کے نام سے ایک کتاب کئی ماہ کی مسلسل کوشش اور محنت سے تصنیف فرمائی اور مالی مشکلات کے باوجود طبع کرادی یہ ان کا امتِ مسلمہ پر ایک بہت بڑا احسان ہے :۔

اصلاح و ترقی تعلیم اور علی گڑھ کالج

ان کے انگلستان کے سفر کا مقصد یورپ کی ترقی کے راز کو معلوم کرنا تھا اور وہ راز تعلیم تھا۔ چنانچہ انہوں نے تعلیم پر بہت توجہ دی وہ کیمبرج یونیورسٹی گئے وہاں کے طریقۂ تعلیم اور اصولِ تربیت کا بغور مطالعہ کیا۔ دیگر تعلیمی مراکز کو بھی دیکھا اور معلومات فراہم کیں۔ یورپ سے واپسی کے بعد آپ نے نصب العین کے لئے جو جدوجہد شروع کی اس کا اصلی محور ترقی تعلیم ہی ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا قوم اس کے لئے تیار نہ تھی اور نہ ہی آپ کے وسائل اتنے زیادہ تھے کہ آپ اس عظیم الشان کام کا بیڑا اُٹھا لیتے چنانچہ انہوں نے قوم کو آمادۂ کار کرنے کے لئے واپسی پر ایک اخبار تہذیب الاخلاق جاری کیا جس نے اصلاح معاشرت مذہب اور تمدن و اخلاق پر خصوصی اثر ڈالا۔ قدامت پسند طبقہ نے اس کے خلاف آواز بھی بلند کی لیکن ہمت عالی ایسی چیزوں کی پرواہ نہیں کیا کرتی :۔

ا۔ علی گڑھ کالج۔

اب انہوں نے سکول کھولنے کی طرف غور کرنا شروع کیا۔ جونہی مدرسۃ العلوم کی آواز بلند ہوئی تو جلتی نے تیل کا کام کیا۔ خصوصیت کے ساتھ کانپور کے دو اخبار نور الانوار اور نور الآفاق۔ آپ کی مخالفت میں جاری ہوئے ان پر کفر و الحاد کے فتوے داغے گئے۔ جس کے نتیجے میں بڑے بڑے حامی دل ہار بیٹھے لیکن سرسید نے مخالفت کی پرواہ نہ کی اور منزل کی طرف گامزن رہے یہاں تک کہ مئی ۱۸۷۵ء میں مدرسہ کا افتتاح ہوا اور جون سے ابتدائی تعلیم شروع ہوگئی۔ جولائی ۱۸۷۶ء کو آپ کو پنشن مل گئی اور آپ علی گڑھ آگئے اب آپ نے اس مدرسہ کو کالج بنانے کی ٹھانی اور جنوری ۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن نے علی گڑھ کالج کا سنگ بنیاد رکھا ایک سال بعد کالج کلاسز شروع ہوگئیں اور ۱۸۸۱ء میں ایم اے تک تعلیم دی جانے لگی اس کے دو سال

بعد قانون کا شعبہ بھی کھول دیا گیا۔ جسے بعد میں چل کر اس کالج کو مسلم یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

ب۔ ایجوکیشنل کانفرنس۔

وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک کالج یا یونیورسٹی قائم ہو جانے سے چھ کروڑ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکتی اور تعلیم ہی تمام ترقیوں کی بنیاد ہے لہذا جمہور مسلمانوں کی بیداری کی ضرورت تھی اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے ۱۸۸۶ء میں محمڈن اینگلو اورنیٹل ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ میں قائم کی اس کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے :۔

۱۔ مسلمانوں میں مغربی تعلیم کی اشاعت۔

۲۔ مسلمانوں کی انگریزی مدارس میں مذہبی تعلیم کی نگرانی و ترقی۔

۳۔ علوم مشرقی و تعلیم مذہبی کے موجودہ مدارس کی ترقی و استحکام کی تدابیر۔

۴۔ مکاتب و قرآن خوانی کی وسعت و ترقی میں کوشش۔

مذکورہ بالا مقاصد کے ساتھ ساتھ کانفرنس نے مندرجہ ذیل امور پر بھی غور و فکر شروع کر دی :۔

۱۔ تعلیم نسواں۔

۲۔ فراہمی کتب نادرہ و قلمی کتب جات۔

۳۔ اشاعت و ترقی اُردو۔

ان گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ کو لارڈ لٹن نے ۱۸۷۸ء میں امپیریل کونسل کا ممبر نامزد کر دیا۔ انہوں نے اس فرض کو نہایت ہی محنت و جانفشانی سے انجام دیا۔ گو کہ آپ انگریزی سے ناواقف تھے لیکن پھر بھی کامیاب ممبر ثابت ہوئے وہ اپنی تقاریر کا انگریزی ترجمہ کرا لیتے اور کونسل سیکرٹری ان کو پڑھ کر سنا دیتا۔ بعض اوقات وہ اپنی تقریر کے انگریزی تلفظ کو اُردو میں لکھ کر تقریر کرتے۔ سننے والا یہ تمیز نہ کر سکتا کہ واقعی سرسید انگریزی زبان سے ناواقف ہیں۔ آپ نے اپنے زمانہ ممبری میں دو بل پیش کئے ایک ٹیکہ چیچک اور دوسرا قانون تقرر قاضیاں اور دونوں کو کونسل سے منظور کرایا۔ اور تیسرا مسودۂ قانون وقف علی الاولاد بھی تیار کیا لیکن چند مجبوریوں کی وجہ سے پاس نہ ہو سکا۔

آپ کی شاندار خدمات کی وجہ سے حکومت برطانیہ نے ۱۸۸۸ء میں آپ کو سی ایس آئی کا خطاب دیا۔ اور ۱۸۸۹ء میں اڈنبرا یونیورسٹی نے آپ کو تعلیمی خدمات و تصانیف کی بدولت ڈاکٹر آف لاز کی آنریری ڈگری عطا کی۔

وفات۔

۱۸۹۵ء میں کالج میں غبن کا واقعہ پیش آگیا۔ جس سے آپ کو بہت صدمہ ہوا جس سے آپ کبھی بھی جانبر نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۰ء میں آپ احتباس بول کے عارضہ میں مبتلا ہوگئے اسی مرض میں وفات پائی۔ کالج کے میدان میں نمازہ ہوئی ہر مذہب و قوم کے ہزاروں افراد جنازہ میں شریک ہوئے۔ انہیں کالج کی مسجد میں ہی دفن کردیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیاسی افکار

پیشتر اس کے کہ ہم ان کے سیاسی افکار پر بحث کریں یہ جان لینا اشد ضروری ہے کہ وہ اول و آخر ایک وفادار ملازم تھے انہوں نے ہمیشہ دولت برطانیہ کی وفاداری کے لئے سوچا یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار میں مارکس کی بجائے پاسکل جیسے انقلاب کی روح پائی جاتی ہے۔ پھر وہ چونکہ زمانۂ انحطاط کی پیداوار ہیں لہذا ان کے افکار میں روسو، لاک اور ہیگل جیسی رفعت و عظمت نہیں ملتی۔ انہوں نے حالات کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ ان میں اقبال کی سی زمانہ کے ساتھ ستیزہ کاری نہیں ملتی، وہ انقلابی نہیں ہیں۔ اگر ان کو انقلابیوں کی صف میں کھڑا کرنا ہی مقصود ہو تو ان میں ہمیں دریا کی طغیانی و روانی نہیں ملتی بلکہ ان میں ہوا کا سا جوش ہے جو کبھی کبھی آندھی اور بگولے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ ایک دوربین اور زیرک سیاستدان ہیں جو ہوا کے رُخ کو پہچانتے اور اس سے کام لینا جانتے ہیں:۔

وہ ایک قومی و ملی مصلح ہیں۔ قوم کے درد میں روتے رہے۔ قوم کے دردوں کا علاج سوچتے ہیں وہ تریاق انہیں تعلیم کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ علاج دیر میں اثر کرتا ہے۔ قوم ان کو ماننے کو تیار نہیں ہے۔ قوم انقلابی علاج کی متمنی ہے لیکن آپ ہمت و استقلال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور اپنے نصب العین کی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ آئینہ ہے جس کو سامنے رکھ کر ہم ان کے سیاسی افکار کا تجزیہ کریںگے۔

ہمیں یہ علم ہے کہ ابتدا میں وہ مکمل قوم پرست ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی قوم تصور کرتے ہیں

بلکہ وہ قوم کا لفظ باشندگانِ ہند کے لئے استعمال کرتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں۔

"قوم پہ مصیبت کیوں پڑی اور کیوں کر دور ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب ملا کہ قوم میں تعلیم و تربیت نہیں تھی اور انگریزوں سے جن کو خدا نے ہم پہ مسلط کیا ہے میل جول اور اتحاد نہ تھا اور باہم ان دونوں میں مذہبی اور رسمی منافرت بلکہ مثل آب زیرکاہ عداوت کا ہونا تھا۔ میں نے یقین کیا کہ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو یا غدر واقع نہ ہوتا۔ اگر ہوتا تو جو سخت مصیبت گورنمنٹ پہ، ملک پہ، ہماری قوم پہ واقع ہوئی اس قدر نہ ہوتی ۔۔۔۔۔ انہیں دونوں اصولوں پہ جن کو میں کبھی نہیں چھوڑنے کا، قومی بھلائی پہ کمر باندھی۔ میں نے قومی بہتری کے دو اصول مستحکم طور پہ قائم کرلئے ہیں ایک تعلیم اور دوسرا انگریزوں سے اصلی اتحاد و دوستی"۔

اسی طرح آپ کی قوم پرستی کی بو ایک اور تقریر سے آتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔

"اے صاحبو! صدیاں گزر گئیں جب سے خدا کو یہ منظور ہوا کہ ہندو اور مسلمان اسی ملک کی ہوا اور پیداوار کھائیں۔ اسی زمین میں جیئیں اور اسی پہ مریں۔ ان واقعات سے خدا کی مرضی پائی جاتی ہے کہ یہ دونوں گروہ اسی ملک میں باہم دوست ہو کر بھائی کی طرح ہندوستان میں رہیں ہندوستان کی خوبصورت چہرے کی یہ دونوں آنکھیں بنیں یہ دونوں قومیں جو دال اور چاول کی طرح سے مل گئی ہیں متفق ہو کر رہیں"۔

تشکیل قوم کی خاطر انہوں نے مغربی نظریات سے بھی فائدہ اٹھایا۔ مسلم عقائد سے بالاتر ہو کر دین و دنیا کی علیحدگی کا سبق دیا اس سے ان کا مقصدِ وحید صرف یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں متحد ہو کر ہندوستان کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ وہ ان خیالات کو مندرجہ ذیل الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔

"اے میرے دوستو! تمہارے ملک ہندوستان میں دو مشہور قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمان کے نام سے مشہور ہیں جس طرح کہ انسان میں بعض اعضائے رئیسہ ہیں اسی طرح ہندوستان کے لئے یہی دونوں قومیں بمنزلہ اعضائے رئیسہ کے ہیں۔ ہندو ہونا یا مسلمان ہونا انسان کا اندرونی خیال یا عقیدہ ہے جس کو بیرونی معاملات اور آپس کے برتاؤ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیا خوب کہا ہے جس نے کہا ہے کہ انسان کے دو حصے ہیں۔ اس کے دل کا خیال یا عقیدہ خدا کا حصہ ہے۔ اور اس کا اخلاق اور میل جول اور ایک دوسرے کی ہمدردی اس کے ابنائے جنس کا حصہ ہے پس خدا کے حصے کو خدا پر چھوڑ دو اور جو تمہارا حصہ ہے اس سے مطلب رکھو"۔

ان خیالات کو قائم کرنے میں آپ یقیناً مغربی مفکرین مثلاً لوتھر، روسو، جے ایس مل اور مانٹیسکو وغیرہ سے بہت متاثر ہیں۔ جنہوں نے مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ گردانا ہے۔ لیکن جس طرح مغرب کے کئی اور نظریات افکار نوع انسانی کے لئے مضر اور ناپائیدار ثابت ہوئے اسی طرح سرسید کو بھی ان کی ناپائیداری جلد ہی پتہ چل گئی۔ ہندوؤں نے جو سیاسی و سماجی طور پر مسلمانوں سے ذرا آگے تھے انہوں نے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے وہ اپنے آباؤ اجداد کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو گئے۔ وہ انگریز کی سرپرستی میں مسلمانوں پر زیادتیاں کرنے لگے ان کا بنیاپن پھر جاگ اٹھا اس کا پہلا تجربہ سرسید کو اُردو ہندی نزاع کی وقت ہوا جب کہ وہ بنارس میں مقیم تھے آپ کے اس وقت کے خیالات میں تبدیلی کا اظہار آپ کے سیرت نگار مولانا حالیؔ ان کے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"انہیں دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شیکسپیئر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے میں نے کہا اب مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے۔ آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا دیکھے گا۔ انہوں نے کہا اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو لی تو نہایت افسوس ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔" حیات جاوید صفحہ ۱۹۴۔

ان کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ ہندو عناد اور بغض کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی الگ مملکت کے حصول کے لئے جدوجہد کرنی پڑی اور پاکستان وجود میں آیا۔ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتے تھے اور ذمہ دار حکومت کے متمنی تھے۔ جس کی ابتدا انہوں نے رسالہ "اسباب بغاوت ہند" سے کی۔ لیکن جوں جوں حالات بدلتے گئے جمہوریت کی راہ ہموار ہونے لگی اور ہندو مسلم اختلافات سامنے آنے لگے تو وہ انتخابات میں جداگانہ انتخاب کے داعی بن گئے۔ چنانچہ وہ امپیریل کونسل میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے یہ امکان بڑا بعید ہے کہ اس وقت انتخابی ادارے جس طرح تشکیل پذیر ہیں ان کی طرف سے کبھی بھی کسی مسلمان امیدوار کا نام حکومت کی منظوری کے لئے پیش کیا جائے۔ اِلّا یہ کہ وہ شخص تمام اہم معاملات میں اکثریت کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہو۔ ہم از روئے انصاف اس بات میں بھی کوئی برائی نہیں دیکھتے کہ ہمارے دیگر غیر مسلم افراد رعایا کو اپنی تعداد کا مفاد پہنچے اور وہ اس طاقت سے بخوبی فائدہ اٹھائیں اور اپنی ہی قوم والوں کو رائے دیں ...... یہ صحیح ہے کہ ہمارے بہت سے مفادات بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ہندو اہلِ وطن کے اور ہمیں اس بات سے بھی یک گونہ طمانیت ہو گی کہ قانون ساز ایوانوں میں ایسے حضرات آئیں خواہ وہ کسی بھی قوم کے ہوں جو ایسے مفادات کا کما حقہ تحفظ کر سکیں اور ان کے مؤید ہوں۔ مگر پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ جن کے اپنے جداگانہ مفادات ہیں۔ جن میں دوسروں کے ساتھ کوئی شرکت نہیں اور ہمیں یہ شکایت ہے کہ ہماری مناسب و معقول نمائندگی کا حق ادا نہیں ہوا ہے حتیٰ کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد بلحاظ آبادی اکثریت میں ہے وہاں بھی ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے گویا کہ وہ ناقابلِ لحاظ سیاسی عنصر ہیں...... ہم حکومت سے ملتجی ہیں کہ وہ از راہ کرم اس بات کا اہتمام کرے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کی ملازمتوں میں خواہ وہ گزیٹڈ ہوں یا ماتحت ملازمتیں ہوں یا اہلکاران سرکاری کے درجوں کی ہوں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے۔" تقریر ۱۲ جنوری ۱۸۸۳ء

یہ وہ مسلک ہے جس کو شملہ وفد منٹو مارلے سکیم اور دیگر تمام مسودات میں تسلیم کیا گیا۔ اور انہی کی بنا پر بعد میں پاکستان کا مطالبہ کیا گیا۔ گویا کہ اس وقت جو آپ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کر رہے ہیں تو پاکستان کی خشتِ اوّل رکھ رہے ہیں۔ اور دو قومی نظریہ کے مطالبہ کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

مذہبی افکار

پیشتر اس کے ہم سرسید کے مذہبی افکار پر نقد و نظر کریں یہ جان لینا ضروری ہے کہ وہ ایک معتزلی مفکر ہیں جنہوں نے اپنے افکار کی بنیاد علمائے معتزلہ اور ابن رشد کے افکار پر رکھی۔ اور انہی کے افکار کے پیش نظر مختلف آیاتِ مبارکہ اور حدیث پاک کی تفسیر و تشریح کی۔ علاوہ ان کے انہوں نے کہیں کہیں الغزالیؒ اور شاہ ولی اللہؒ سے استفادہ بھی کیا۔ انہوں نے تقلید کو چھوڑ کر کئی نئی راہیں نکالیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت

کے علمائے کرام آپ سے بدظن ہوگئے اور آپ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہاں پر ان کے افکار کا مختصر سا جائزہ لیا جائے گا۔

سرسید کے ذاتی عقائد کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ پر مکمل ایمان رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے تہذیب الاخلاق بابت یکم صفر ۱۲۹۰ھ میں ایک مضمون بعنوان "اعتقادی باللہ" باندھا ہے جو ان کے ایمان باللہ کا مکمل آئینہ دار ہے وہ رقمطراز ہیں۔

"میں نہایت سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانے والا کوئی ہے اور اسی کو ہم کہتے ہیں اللہ۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا ہونا ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے اور تمام صفاتِ کمال اسکی ذات میں موجود ہیں۔ اس کا سا کوئی نہیں نہ ہونے میں کیونکہ ہونا اس کی ذات ہے اور نہ کسی صفت میں کیونکہ اس کی تمام صفتیں ہی اس کی ذات ہے وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے ...... وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے اور تمام عیبوں سے بے عیب۔ یہ مثل ہے کہ بے عیب ذات خدا کی ہے .... تمام مخلوقات کا وہی مالک ہے اور تمام معلومات کا وہی عالم ہے ...... سب چیزوں پر قادر ہے۔ الحی القائم ہے۔ دانا و بینا ہے۔ نہ اس کا کوئی مشابہ ہے اور نہ اس کا کوئی مصاحب و مددگار اور نہ اس کی مانند کوئی ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ..... نہ وہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ کسی محدود جگہ میں ہے نہ کسی جگہ میں نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں ہے یا وہاں ہے۔ نہ اس میں حرکت ہے نہ سکون" ...... الخ

مقالاتِ سرسید حصہ سیزدھم صفحہ ۳ تا ۶۔

جہاں تک جناب رسولؐ کی نسبت و محبت کا تعلق ہے وہ ان کے گرویدہ و عاشق ہیں۔ اس بات کا زندہ ثبوت آپ کا ولیم میور کو جواب جو خطباتِ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے اور مقالاتِ سرسید کے حصہ یازدھم میں جمع کر دیئے گئے ہیں یقیناً آپ کو جناب رسولؐ سے حقیقی محبت ہے۔ اس بارے میں آپ کے خط کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے یہاں دوبارہ بیان کی ضرورت نہیں۔

آپ چونکہ عقل کے پرستار ہیں ارسطو، ابن رشد اور معتزلیوں کے مقلد ہیں۔ لہٰذا ہر معاملہ کو عقل کی

کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہمیں جمہور مسلمانوں کی مانند تقلید کے جراثیم بہت ہی کم ملتے ہیں اس طرز استدلال کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کو یہ دلیل قائم کرنی پڑی کہ اگر کوئی مذہب فطرت، سائنس اور استدلال کا متحمل نہیں تو وہ دین کامل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام کو سائنس اور استدلال کا مذہب ثابت کرتے ہوئے وہ نہ صرف معجزات، فرشتوں، جن اور حضرت عیسیٰ کے کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہونے سے انکار کرنے پر مجبور ہوئے بلکہ روز محشر میں کھڑا ہونے، یوم قیامت کے قیام، دوزخ اور بہشت کے بارے میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کو لفظی طور پر نہ مانا جائے بلکہ یہ تمثیلات ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کو ایک خواب تصور کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی مندرجہ ذیل تفسیرات بہت مشہور ہیں

تعدد ازواج :- وہ کثیر الازدواجی کو اسلام کی اصل روح کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی مخصوص حالات میں اجازت دیتے ہیں۔

غلامی :- اسلام نے غلامی کی مخالفت کر دی ہے۔ یہاں تک کہ جنگی غلاموں کی بھی جو شریعت کی رو سے جائز تصور کئے جاتے ہیں منع کر دیا گیا ہے۔

ان کے انہیں خیالات کی وجہ سے جمال الدین افغانی نے آپ کے بارے میں تحریر کیا تھا "احمد خان نے اور اس کے پیروکاروں نے دین کا لباس خود اتارا اور مسلمانوں میں فتنہ ڈالنے اور ان کی آواز کو کمزور کرنے کے لئے انہیں بھی دین چھوڑنے کی طرف دعوت دی۔ پھر ان کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ وہ ہندوستانیوں میں اور دیگر ممالک کے مسلمانوں میں مخالفت کا بیج بوتے ہیں۔ ہندوستان کے دہریے یورپ کے دہریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یورپ کے دہریے مذہب چھوڑ کر بھی ملک اور وطن کی محبت سے سرشار ہیں اور اجنبی حملہ آوروں سے ملک کو بچانے کے لئے ان کی غیرت اور بڑھ جاتی ہے۔ وہ ملک کو ترقی دینے اور اس کو مخالفین کی دستبرد سے بچانے کی خاطر اپنے بیش قیمت مال و متاع کو خرچ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور وطن کے مصالح میں اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں مگر احمد خان اور اس کے ساتھی ایک طرف سے لوگوں کو دین کے چھوڑنے پر آمادہ کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کی نظروں سے ملکی مصالح کی اہمیت گھٹاتے ہیں۔ ان کے سامنے اجنبی تسلط کے بوجھ کو معمولی کر کے دکھاتے ہیں۔ دینی اور نسلی حمیت کے آثار کو مٹانے کی جدوجہد کرتے ہیں اور ان کی ملکی مصالح کی کھوج میں لگے رہتے ہیں جو

ابھی انگریزوں کی دستبرد سے بچ گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں حکومت کے علم میں لا کر ان کے قبضے میں دلا دیں یہ سب کچھ وہ کسی بڑے اجر کی خاطر نہیں کرتے اور اس میں ان کے مدنظر کوئی عالی مرتبت شرف نہیں ہوتا صرف معمولی درجہ کی زندگی اور چند کوڑیوں کے فائدے کے لئے یہ خدمات سرانجام دی جاتی ہیں"۔

(ارشاداتِ جمال الدین افغانی از عبدالقدوس ہاشمی صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)

یہ تجزیہ ظاہرہ طور پر حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سرسید کی ذات پر زیادتی ہے بے شک انہوں نے حکومتِ انگریزی کی حمایت کی لیکن یہ حمایت مسلمانانِ ہند کے فائدے کے لئے تھی۔ اگر اس وقت وہ دولت انگریزی کی حمایت نہ کرتے تو وہ مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا نہ کر پاتے۔ لیکن یہ سب کچھ سیاسی نوعیت کا مسئلہ ہے۔ ان کی سیرت سے ہمیں یہ چیز کافی ابھری ہوئی ملتی ہے کہ آپ کے مذہبی افکار کا یہ پہلو بہت مشکوک اور مشتبہ ہے یہ حقیقت ہے کہ وہ مسلمانانِ ہند کی سماجی اور اقتصادی ترقی چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے کئی ایک جتن بھی کئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ان کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہی ہے کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی قوم نے غیر ملکی حکومت کے زیرِ سایہ ترقی حاصل کی ہو۔ پھر جہاں تک ملتِ اسلامیہ کی ترقی و سرفرازی کا تعلق ہے۔ یہ صرف اسلام کی وجہ سے اسلام اس کے جسدِ خاکی کی روح ہے۔ اگر اس روح کو ہی کمزور کرنے کی جسارت کی جائے تو ملت کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گی

تعلیمی افکار

سرسید کی زندگی کا اہم ترین اور کامیاب ترین پہلو ان کی علمی سرگرمیاں ہیں وہ مسلمانوں کی معاشرتی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ مسلمان مغربی تعلیم سے آراستہ نہ ہوں۔ ان کی ذہنی سطح بلند نہ ہو۔ علاوہ اس کے یہ بھی واضح ہے کہ وہ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان جو شکوک و شبہات اور بدگمانی کی فضا تھی اس کو دور کرنا چاہتے تھے۔ لہذا ضروری محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ ہمیں علم ہے کہ جس وقت وہ انگلستان کے دورے پر گئے تو اس وقت انگلستان کے نظامِ تعلیم میں نظریۂ تقاطر THEORY OF FILTERATION کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔ اس نظریہ کی رو سے عوام میں تعلیم کی اشاعت اور دیگر اصلاحات پہنچانے کا بہترین طریقہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو تعلیمی

اثرات سے بھرپور کر دیا جائے اور یہ اثرات رفتہ رفتہ نچلے طبقے کو بھی سیراب کر دیں گے ۔ اس ضمن میں یوں فرماتے ہیں ۔

" اگر ہم قوم سے جہالت اور تاریکی کو دور کرنا چاہتے ہیں تو بہترین طریق یہ ہے کہ ہم اوپر کے طبقوں کو اعلیٰ تعلیم دیں ۔ اس طبقے کے افراد جہالت کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے ستاروں کا کام دیں گے ۔ اس وقت حالات بڑے نازک دور سے گذر رہے تھے ۔ مسلمان بٹ چکے تھے ۔ کوئی تعصب کا شکار تھے تو کوئی معاشی اور سیاسی بدحالی کے اس لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت تھی جو علوم قدیم و جدید کو پڑھانے کا انتظام کرے اور یہ تعلیم محض درس و تدریس تک ہی محدود نہ ہو بلکہ اس کا عملی زندگی سے بھی گہرا تعلق ہو ۔ چنانچہ اسی مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے علی گڑھ کے لئے فرمایا تھا :۔

" وہ اس نئے ادارے میں ایسے گریجویٹ تیار کرنا چاہتے ہیں جن کے دائیں ہاتھ میں علوم قدیم کا سرمایہ اور بائیں میں علوم جدید کا خزانہ اور سر پر کلمہ طیبہ کا تاج ہو گا ۔"

انہوں نے ان افکار کا عملی نمونہ قائم کرنے کی سعی کی ۔ ان کا یہ تعلیمی تجربہ ہندوستان کے تمام تعلیمی اداروں کے لئے ایک مشعل کی حیثیت لئے ہوئے تھا ۔ دوسرے اداروں میں محض کتابی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا لیکن انہوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیا ۔ طلباء کی عادات و اطوار کو سنوارنے کی سعی اور قومی کردار و تشخص کو ابھارنے کی کوشش کی ۔ علی گڑھ کا ادارہ قوم کے سامنے معاشرتی ، ادبی اور ذہنی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے ۔ آپ نے اردو ادب میں انقلاب لایا ۔ جدید شاعری کی داغ بیل پڑی ، صحافت اخبار نویسی اور سادہ زبان کو سائنسی علوم کے اظہار کا بہترین ذریعہ بنانے کی کوششیں کیں ۔ عوام میں تعلیم کی اہمیت کا احساس پیدا کیا :۔

آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی زبان میں تعلیم دینے پر زور دیا ۔ وہ غیر ملکی زبان میں تعلیم دینے کے مضر اثرات سے واقف تھے یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمان مغربی علوم سے متعارف ہوئے انہوں نے کئی اعلیٰ اور قیمتی کتابوں کے ترجمے کرائے اور مغربی افکار سے مسلمانوں کو روشناس کرایا ۔ رچرڈ سائمنڈ (RICHARD SYMOND) کے الفاظ میں :۔

انہوں نے اسلام کی مغربی علوم کے ساتھ صلح کرائی۔ تعلیم میں مسلمانوں کو اپنا کالج دیا۔ جہاں مسلمان بُرا بنے بغیر مغربی علوم سے مستفید ہوتے۔ گورنمنٹ سروس اور تجارت میں تعلیم یافتہ افراد کے لئے ایک نیا باب کھولا"۔

THE MAKING OF PAKISTAN

لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق سرسید خاص رائے رکھتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے براہ راست تعلیم نسواں کے لئے کوئی خاص کوشش نہ کی۔ آپ نے اس بارے میں جو کمیشن قائم کیا گیا تھا اس کو ان الفاظ سے مطلع کیا:۔

"عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ اس فلاسفر کے سوال سے بالکل مشابہ ہے جس نے پوچھا تھا کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ مردوں کی تعلیم سے پہلے عورتوں کی تعلیم ہونی چاہیئے وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کی پوری تعلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ اس قوم کے اکثر مرد پورے تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں گے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی سوشل حالت پر غور کیا جائے تو اس وقت تک جو حالت مسلمان عورتوں کی ہے وہ میری رائے میں خانگی خوشی کے واسطے کافی ہے۔ جو کچھ بالفعل گورنمنٹ کو کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے بندوبست کی جانب کافی توجہ کرے جب کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل بخوبی تعلیم یافتہ ہو جائے گی تو مسلمان عورتوں کی تعلیم پر اس کا ضرور بالضرور ایک زبردست گو خفیہ اثر پہنچے گا۔ (حیات سرسید صفحہ ۵، ۶ - ۷)

ان خیالات کے ہوتے ہوئے جب ہم اکبر الہ آبادی کی سرسید پر تعلیم نسواں کے بارے تنقید پڑھتے ہیں تو ناجائز محسوس ہوتی ہے۔ بہتر ہوتا کہ اکبر رواداری کا مظاہرہ کرتے۔

ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سرسید اردو نثر اور جدید اسلوب تحریر کے بانی ہیں۔ آپ کی کوششوں سے جدید اُردو ادب کی بنیاد پڑی۔ سر جیمس لائل اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

"سرسید کی اُردو، جدید خیالات کی اشاعت کا آلہ ہے۔ اس سے انہوں نے اس وقت کام لیا جب کہ نثر اُردو کا وجود نہ تھا اور اس کو اس طرح بنایا اور برتا کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے"۔

ENCYCLOPEADIA .BRITANICA SIR SYED

ان کا طرز تحریر بالکل سادہ اور آسان تھا۔ وہ اپنی طرز تحریر پر خود رائے ظاہر کرتے ہیں:۔

"جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اُردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینیٔ عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا پرہیز کیا۔ تُک بندی سے جو اس زمانے میں مقفیٰ عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اٹھایا جہاں تک ہو سکا سادگیٔ عبارت پر توجہ کی"۔ (تہذیب الاخلاق)

اس تبصرہ اور مکمل تنقید کے بعد سرسید کی انشاء پردازی اور طرزِ تحریر کی خصوصیات کا اندازہ کرنا بہت آسان ہے۔ اس تحریر کا ملک میں عوام کے خیالات پر گہرا اثر ہوا اور نئے ادب کی طرح پڑی۔ آپ نے جدید اور تخیلاتی شاعری کی بنا ڈلوائی۔ جس میں فکری اور قومی مضامین ادا ہونے لگے۔ اس شاعری کا ابتدائی بہترین نمونہ مسدس حالی ہے جس کے بارے میں وہ فخریہ کہتے ہیں۔

"اگر اللہ تعالیٰ روزِ محشر میں مجھ سے پوچھے کہ تم اس دنیا میں کیا کر آئے ہو تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر آیا ہوں"۔

تبصرہ

آپ ایک عظیم رہنما، مفکر، سیاستدان، عالم اور علم عمران کے ماہر تھے۔ آپ نے ہندی مسلمانوں کی علمی و ادبی خدمت کی۔ جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کی ڈولتی ہوئی کشتی کو کنارے لگایا۔ اور کھوئی ہوئی عظمت سے روشناس کرایا۔ آپ نے انہیں مشکلات کا مقابلہ کرنے کا سبق دیا۔ آپ کے لگائے ہوئے پودے نے ایسی کونپلیں نکالیں جو سرزمین کی سیرابی اور کامرانی کا موجب بنیں۔ آپ کی وفات پر ایک شخص نے بجا طور پر کہا تھا کہ:۔

"لوگوں نے کتابیں لکھیں۔ کالج قائم کئے لیکن ایک قوم کے ذہنی انحطاط کو روکنا ایک پیغمبرانہ کا کام ہے"

آپ کی ہمت و استقلال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اے آر گب رقمطراز ہیں:۔

"سرسید احمد خان نے مایوس کن حالات میں مسلمان قوم کی تعمیر نو کی جو کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس عظیم رہنما کی عظمت کو نمایاں کرتی ہے۔"

سی ایف اینڈریوز C. F. ANDERUEWS آپ کے بارے میں تحریر کرتا ہے :۔

"جدید تاریخ میں اس سے بڑھ کر انقلاب کی مثال نہیں ملتی کہ ایک قوم جدید تعلیمی، سیاسی و معاشی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک عظیم شخصیت کے زیر اثر اس قدر قلیل مدت میں اپنے نصب العین کو پہچان لے تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے انسان پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقی عظمت جو سرسید کو حاصل ہوئی ہے وہ بہت کم انسانوں کو میسر آئی ہے۔ وہ حیرت انگیز لیاقتوں اور اوصاف کے مالک تھے۔ وہ ایک ہی وقت میں اسلام کے محقق، علم کے حامی، قومی مصلح، سیاستدان، مصنف اور مضمون نگار تھے۔ حقیقت ہے مسلمانوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے اور مغربی علوم کے ساتھ مطابقت کرنے میں کوئی بھی شخصیت آپ سے زیادہ ذمہ دار نہیں۔ بہتر ہوتا کہ وہ چند مذہبی خیالات کی غلط تفسیر نہ کرتے۔

کتابیات

۱۔ حیاتِ جاوید از مولانا الطاف حسین حالی

۲۔ حیات سرسید از نور الرحمٰن

۳۔ مقالاتِ سرسید از مولانا محمد اسماعیل پانی پتی حصہ دوم، سوم، چہارم، یازدہم اور سیزدہم

۴۔ ارشاداتِ جمال الدین افغانی از عبد القدوس قاسمی

۵۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار۔

6. RELIGIOUS THOUGH OF SIR SAYYID AHMAD KHAN BY B.A. DAR M.A
7. MODERN ISLAM IN INDIA BY W.C. SMITH.
8. THE STRUGGLE FOR PAKISTAN BY I.H. QURESHI.
9. ISLAM AND MODERNISM BY MARYAM JAMEELA.
10. STUDIES IN MUSLIM POLITICAL THOUGHT AND ADMINISTRAT ION BY H.K. SHERWANI M.A.